مکاتیب

(۱)

جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی بخیر! ''الشریعہ'' کا سفر رواں دواں ہے۔ مشکور ہوں کہ آپ میرے خیالات کو ''الشریعہ'' میں جگہ دیتے ہیں۔ حقیقی تعریف تو صرف اللہ کے لیے ہے اور باقی سب پانی کے بلبلے ہیں۔ بلبلہ کی اگر کوئی قدر و قیمت ہے تو وہ محض سمندر کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ اس کی اپنی خامی ہے۔ ''الشریعہ'' میں بھی بہت سی خوبیاں اور خامیاں ہوں گی۔ مجھے ''الشریعہ'' کی جن خوبیوں نے متاثر کیا ہے، وہ یہ ہیں۔

۱۔ اکثر مجلّات کے ٹائٹل پہ ایک علامتی جملہ لکھا ہوتا ہے کہ ''ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں'' جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس رسالہ کی طرف سے اپنے مقالہ نگار کو بعض اوقات فروعی مسائل میں اختلاف کی گنجائش بھی نہیں دی جاتی۔ الشریعہ نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے کہ اس میں واقعی ایسے افکار بھی چھپ سکتے ہیں جن سے خود رسالہ کی مجلسِ ادارت متفق نہ ہو۔

۲۔ الشریعہ کے قارئین کا حلقہ کہاں سے کہاں تک پھیلا ہوا ہے، اس کا اندازہ اس میں چھپنے والی شخصیات کے مضامین اور مکاتیب سے ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ ایک اور چیز جو میں نے محسوس کی ہے، وہ یہ کہ الشریعہ کے قارئین ''صم بکم'' نہیں، انہیں بولنا آتا ہے اور وہ بہت اچھا بولتے ہیں۔ وہ اختلاف کرنا بھی جانتے ہیں اور کسی کی بات سے متاثر ہوں تو کھلے دل سے اس کی تعریف بھی کر جانتے ہیں۔

۴۔ ''الشریعہ'' کی ایڈیٹنگ کا نظام بھی بہت مہذب ہے۔ بعض مجلّات اور جرائد میں مضامین کی کانٹ چھانٹ اس طرح کی جاتی ہے کہ لکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ شاید میرے قلم سے کسی اور کے فکر کی چاکری ہو رہی ہے۔ ''الشریعہ'' کے مقالہ نگار کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ میری محنت کے ساتھ کم از کم یہ سلوک نہیں ہوگا۔ ☆☆

مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں ڈاکٹر عبدالباری عتیقی کا مکتوب نظر سے گزرا، مجھے اس حوالہ سے کچھ عرض کرنا ہے۔

قتال اور جہاد سے متعلق اسلام نے اپنے پیروکاروں کو چند اخلاقی آداب کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً یہ کہ دورانِ جنگ

عورتوں، بچوں اور بے ضرر شہریوں کو گزند نہیں پہنچانی، کھیتوں اور درختوں کو نہیں اجاڑنا، طاقت وقوت کے بے مہار اور جنونی مظاہرے سے اجتناب کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا اس سلسلہ میں کوئی حالتِ اضطرار بھی ہے جب مسلمانوں کے لیے ان آداب کی پابندی ساقط ہوجاتی ہو؟ ڈاکٹر عبدالباری عتیقی کے مکتوب سے محسوس ہوتا ہے کہ ایسی کوئی حالتِ اضطرار نہیں ہے، مسلمانوں کے لیے ہر حال میں ان آداب کی پابندی ضروری ہے۔

میرے خیال میں یہ بات درست نہیں۔ خود عہد نبوی میں ایک مثال ایسی ملتی ہے جب مسلمان بامرِ مجبوری ان آداب کی پابندی نہ کرپائے جس پر مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ مسلمان جنگی اخلاقیات کی رعایت بھی نہیں کرتے۔ یہ موقع غزوۂ بنونضیر کا ہے جو ہجرت کے چوتھے سال ہوا۔ جب مدینہ میں مقیم یہود کے ایک قبیلہ بنونضیر کی بدعہدیوں کی وجہ سے اس کو جلاوطن کرنے کا فیصلہ ہوا تو ان کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ قلعہ کے آس پاس بنونضیر کا ایک باغ تھا جو قلعہ کا محاصرہ کرنے میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کچھ درخت تو کاٹ ڈالے اور کچھ کو آگ لگادی۔ دشمن کو اس پر یہ کہنے کا موقع ملا کہ مسلمان جنگی اخلاقیات کا لحاظ بھی نہیں کرتے، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تبصرہ نازل ہوا: ”ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین“ (سورۃ الحشر، آیت ۵) یعنی ”تم نے کھجور کے جن درختوں کو کاٹا اور جنہیں اپنی جڑوں پہ قائم رہنے دیا تو یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ بدکرداروں کو رسوا کردے۔“

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگی اخلاقیات بے شک حالتِ جنگ سے متعلق ہی ہیں، مگر حالتِ جنگ کی ہی بعض صورتیں حالتِ اضطرار کی ہوتی ہیں جب ان آداب کی پابندی میں قدرے نرمی ہوجاتی ہے۔ یہ حالتِ اضطرار تب ہوگی جب کسی کافر گروہ کا استیصال ضروری ہوجائے اور وہ استیصال اخلاقی پابندیوں کے ساتھ ناممکن ہو۔ مذکورہ مثال کا تعلق صرف درختوں کو تلف کرنے کے ساتھ ہے، باقی آداب کے ساتھ نہیں۔ یوں بھی بے ضرر شہریوں کے خون بہانے کا معاملہ درخت کاٹنے جتنا ہلکا پھلکا نہیں۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ خوفِ خدا اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ خوں ریزی کی حساسیت کا یہ سبق بھی اسی غزوۂ بنونضیر سے ہی ہمیں ملتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو صرف جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا اور خوں ریزی کی نوبت نہیں آئی کیونکہ اصل مقصود ان کے شر سے بچنا تھا اور اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ تاہم خوں ریزی کی چند اضطراری صورتیں بھی فقہاء کے ہاں ملتی ہیں کہ مثال کے طور پر کفار کی کسی جماعت کا استیصال ناگزیر ہوگیا ہو اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے بے ضرر شہریوں کو اپنے سامنے ڈھال اور آڑ بنا رہے ہوں یا کوئی کافر عورت کمانڈو کا کام کررہی ہو تو بامرِ مجبوری اور بقدرِ ضرورت ان سے بھی نمٹا جاسکتا ہے۔ (الہدایہ، کتاب السیر)

البتہ ان کی یہ بات ٹھیک ہے کہ ہم نے دشمن سے بے نیاز ہوکر اپنے دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے اور نتائج کو اللہ کے سپرد کرنا ہے۔ دشمن اگر جنگی اخلاقیات کا لحاظ نہ کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہم بہرحال اپنے دین کی تعلیمات کے پابند ہیں۔ ایک عربی مصنف کے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں (ترجمہ حسبِ ذیل ہے): ”یہ جان لینا ہر یہودی کا حق ہے کہ وہ ہم پر جتنا بھی ظلم ڈھاتا ہے، جتنی بھی ہمارے معصوم بچوں کی جان لیتا ہے، جتنی بھی

ہماری فصلیں تباہ اور ہماری بستیاں ویران کرتا ہے، مگر ہم اس کے ساتھ برتاؤ کرنے میں صرف اور صرف اپنی عادلانہ شریعت کے پابند ہوں گے جو اللہ نے ہماری ہدایت اور فلاح کے لیے ہم پر اتاری ہے۔ یہ نہیں کہ ہم اپنے غیظ وغضب کو بجھانے کی کوئی ناجائز کوشش کریں گے۔'' کافر تو ہے ہی نقیبِ باطل! وہ اگر حالتِ جنگ میں کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی حرکت کرتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ وہ جب باطل ہی کے لیے لڑ رہا ہے تو باطل طریقے اختیار کرنا اس کا حق ہے۔ دیکھا تو ہمیں جائے گا کہ ہم جو نقیبِ حق ہیں، شرعی اور اخلاقی آداب کی کتنی پابندی کرتے ہیں۔ ایٹم بم اور اس جیسے ناپسندیدہ ہتھیاروں کو ایجاد کرنے اور محض ''شو آف پاور'' کے لیے اپنے پاس رکھنے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جبکہ آنکھیں دکھانے والے کافر ہمسایوں کو مرعوب کرنے اور دباؤ میں رکھنے کے لیے ایسے ہتھیاروں کا حصول ناگزیر ہو جائے تو امید ہے کہ یہ جائز ہی نہیں، ضروری ہو جائے گا اور اس قرآنی تعلیم میں شامل ہوگا کہ ''ولیجدوا فیکم غلظة'' (سورۃ التوبۃ، آیت ۱۲۳) یعنی ''ضروری ہے کہ تمہارے پڑوس میں رہنے والے کفار تمہارے اندر سختی محسوس کریں (اور تمہیں اپنے مقابلہ میں تر نوالہ نہ سمجھ لیں)''۔ البتہ اگر مساوی بنیادوں پر ایسے ہتھیاروں سے دنیا کو پاک کرنے کے لیے کوئی سرگرمی ہو تو اس میں حصہ لینا چاہئے۔ جنگی اخلاقیات کی پابندیوں میں نرمی جینوئن اضطرار کی حالت میں ہو سکتی ہے، مگر محض دشمن کا غیر اخلاقی حرکتوں کا ارتکاب کرنا ہمارے لیے وجہِ جواز نہیں کہ ہم بھی اس کی اندھی نقالی شروع کر دیں۔

عورت کو بطور جنگی ہتھیار کے استعمال کرنا یا اپنے فوجیوں کو رنگ رلیوں کے مواقع فراہم کرنا ایسے امور ہیں جن کو کسی بھی طرح جنگی آداب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جنگی آداب میں تو حالتِ اضطرار کی مثالیں موجود ہیں، مگر ایسے محرمات کے ارتکاب کی کیا وجہِ جواز ہو سکتی ہے جسے حالتِ اضطرار کہا جا سکے؟ واللہ اعلم

محمد عبداللہ شارق

مدیر مرکز احیاء التراث، قدیر آباد ملتان

mabdullah_87@hotmail.com

(۲)

ماہ فروری کے الشریعۃ میں زاہد صدیق مغل صاحب کا مضمون ''جزا اور عذاب قبر کی قرآنی بنیادیں'' پڑھا۔ احساس ہوا کہ آں محترم نے شاید قرآن مجید پر اس معاملہ میں تدبر نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں تین سوال قائم کر کے ان سے عذاب برزخ ثابت کیا ہے۔ پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ کے جزا و سزا کے قانون کے دائرہ کار کے حوالہ سے آیات قرآنی پیش کی ہیں جو یہ ہیں: شوریٰ آیت 30، مائدہ آیت 18، بقرہ آیت 5-6، مطففین آیت 14، طٰہٰ آیت 124، زخرف آیت 36، حم السجدہ آیات 20-21، طلاق آیت 2-3، آل عمران 25 اور 185۔ ان آیات سے آخرت میں اعمال کا پورا بدلہ ملنا ثابت کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے۔

دوسرا سوال ہے، عالم برزخ میں شعوری زندگی کا ثبوت! مغل صاحب لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید میں کئی مقامات پر